امام زمانہ = کے انتظار کا فلسفہ

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین ☆
hasnain1971@yahoo.com

ا۔انتظار کا معنی و مفہوم:

''انتظار'' کا معنی مستقبل میں کسی مفقود چیز کے حصول کی توقع رکھنا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی نفسیاتی حالت ہے کہ جو منفی روپ دھار لے تو انسان گوشہ نشینی اختیار کر لیتا ہے اور اگر مثبت روپ میں ڈھل جائے انسان متحرک اور فعال بن جاتا ہے۔ امام زمانہ عج اللہ فرجہ الشریف کے انتظار کے حوالے سے اگر دینی تعلیمات کو دیکھا جائے تو یہ تعلیمات، انتظار کی پہلی قسم پر خط بطلان کھینچتی ہیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث شریف میں ارشاد ہوا ہے:

"افضل اعمال امتی انتظار الفرج من الله عزوجل."

یعنی: میری امت کا بہترین عمل، اللہ تعالی کی طرف سے فرج کا انتظار ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

"انتظار الفرج عبادة"

یعنی: فرج کا انتظار عبادت ہے۔

حضرت علی - سے پوچھا گیا کہ خداوند تبارک و تعالی کی بارگاہ میں کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا:

''انتظار الفرج''

یعنی: فرج کا انتظار

(کمال الدین، ج2، باب55، ح1؛ بحارالانوار، ج52، ص۱۲۲)

واضح سی بات ہے کہ امام زمانہ = کے انتظار کو بہترین عمل اور بہترین عبادت قرار دینا کسی طور بے

☆ محقق، استاذ، فلسفہ اسلامی

عملی اور گوشہ نشینی کے ساتھ قابل جمع نہیں ہے۔اس لیے کہ عمل اور عبادت کی ذات میں تحرک پوشیدہ ہے اور منطقی طور پر انتظار ایک حالت (Situation) سے راضی نہ ہونے اور اس سے بہتر حالت تک رسائی کی کوششوں کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام زمانہ = کے منتظر انسان کے اندر یہ حالت تنہا اس وقت ایجاد ہوسکتی ہے جب وہ دنیا پر حاکم نظام حیات سے تنگ ہو،ظلم و جور سے تھک چکا ہو اور ایک ایسے افق کی تلاش میں ہو جس کے ماتھے پر عدل وقسط کا سورج طلوع کرے۔پس حقیقی منتظر وہی ہوسکتا ہے جسے امام کے وجود کی ضرورت کا احساس ہو یا معصومین÷ کے الفاظ میں وہ اپنے آپ کو حجت خدا کے وجود کا محتاج سمجھتا ہو۔

بنابرایں، جب تک ہمارے اندر امام کے وجود اور حضور کی پیاس پیدا نہ ہو جائے، ہم آپ کے حقیقی منتظر نہیں ہوسکتے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام کے حضور کی ضرورت سے پہلے ہمیں عدل وانصاف اور ایک دینی الٰہی معاشرے کے قیام کی ضرورت کا احساس اپنے اندر بیدار کرنا ہوگا۔ہم اس وقت امام کے انتظار میں بیٹھ سکتے ہیں جب اپنے وجود اور اس دھرتی پر عدل وانصاف اور دین ودینداری کی حکومت قائم کرنے کیلئے بے تاب ہوں۔یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں امام کے منتظرین کی ایک صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ:

" و یوطّئون للمهدی سلطانه"

یعنی: وہ حضرت مہدی = کی حکومت اور سلطنت کے قیام کیلئے تگ ودو کرتے ہیں۔

(میزان الحکمۃ، ج2،ص568؛ کنز العمال، ح:٣٨٦٥٧)

ایک اور حدیث میں حضرت امام صادق - فرماتے ہیں:

"لیعدنّ احدکم لخروج القائم و لو سهما فان اللّه اذا علم ذلک من نیته رجوت لان ینسی فی عمره حتی یدرکه و یکون من اعوانه و انصاره ".

یعنی: تم میں سے ہر ایک کو امام کے ظہور کے لیے آمادہ رہنا چاہیے، خواہ ایک تیر ہی کے ذریعے۔کیونکہ جب خداوند تعالی یہ دیکھے کہ ایک شخص واقعی طور پر امام کی نصرت کی غرض و غایت سے آمادہ ہوا ہے تو ہوسکتا ہے اس کی عمر اتنی طولانی کردے کہ وہ امام کے حضور کو پا سکے اور آپ کے منتظرین میں سے قرار پا سکے۔

(الغیبہ نعمانی؛ بحارالانوار، ج52،ص،٣٦٦)

جب حضرت امام محمد باقر - سے پوچھا گیا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب امام مہدی = ظہور فرمائیں گے تو دنیا کے معاملات خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے اور خون کا ایک قطرہ تک بھی نہیں بہایا جائے گا تو آپ نے فرمایا:

"لا، و الذی نفسی بیده، لو استقامت لاحد عفوا لاستقامت لرسول

اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ حین دمیت رباعیتہ و شبح فی وجھہ؛ لا والذی نفسی بیدہ حتی نمسح نحن و انتم العرق و العلق ".یعنی:

''ہرگزنہیں!اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر خود بخود کسی کیلئے معاملات ٹھیک ہونا ہوتے تو رسول اکرم ﷺ کیلئے ٹھیک ہو جاتے اور نہ آپ کے مبارک دانت ٹوٹتے اور نہ ہی آپ کے چہرہ مبارک پر کوئی خراش آتی ؛نہیں! ہرگزنہیں!اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس وقت تک یہ معاملات ٹھیک نہ ہوں گے جب تک کہ ہم تم خاک وخون میں غلطان نہ ہوں۔''

(الغیبۃ ،نعمانی؛ بحارالانوار، ج52،ص،۳۵۸)

پس ان فرامین کی روشنی میں یہ بات عیاں ہے کہ انتظار گوشہ نشینی نہیں بلکہ عمل اور اقدام کا نام ہے۔ انتظار، امام زمانہ عج اللہ فرجہ الشریف کی ملاقات کی جھوٹی دکانیں چمکانے اور لوگوں کو شریعت اسلام سے دور کرنے کا نام نہیں شریعت اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی کو ڈھال کر ایک دیندار معاشرے کے قیام کی عملی کوششوں کا نام ہے۔انتظار سستی، کاہلی اور گوشہ نشینی نہیں بلکہ ایک معرکہ ہے جو انتظار کرنے والے کو اپنی ہوا وہوس کے خلاف بھی لڑنا ہے اور دنیا میں موجود کجرویوں سے بھی نبرد آزما ہونا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام مہدی = کے انتظار کو پیغمبر اکرم ﷺ کی رکاب میں جہاد کرنے اور دشمن کی پیشانی پھاڑنے سے تشبیہ دی گئی ہے:

''کمن قارع مع رسول اللہ بسیفہ''.

(بحارالانوار، ج52،ص،۱۲۶)

۲۔ انتظار کی ضرورت:

بہت سی روایات میں امام کے انتظار کو واجب قرار دیا گیا ہے۔نمونے کی چند ایک روایات ملاحظہ فرمایئے:

ا .ان القائم منا ھو المھدی الذی یحب ان ینظر فی غیبتہ و یطاع فی ظھورہ ."

یعنی: ہم میں سے جو شخص قیام کریں گے وہ مھدی ہیں کہ جن کی غیبت میں ان کے ظہور کا انتظار کرنا واجب ہے اور ظہور میں ان کی اطاعت واجب ہے۔(منتخب الاثر ،ص،۲۲۳)

"عن الی عبداللہ علیہ السلام انہ قال: الا اخبرکم بما لا یقبل اللہ عزوجل من العباد عملا الا بہ؟ فقلت: بلی، فقال ...و انتظار القائمؑ "

یعنی:امام صادق علیہ السلام نے راوی سے فرمایا کہ تمہیں لوگوں کے اعمال کی قبولی کا معیار بتاوں؟ راوی نے کہا جی ہاں! امام نے فرمایا:۔۔۔اور حضرت قائم = کے ظہور کا انتظار۔ (الغیب ،نعمانی ،ص،۲۰۰)

یہاں سوال یہ ہے کہ امام کا انتظار کیوں ضروری ہے؟ اس سوال کے جواب میں درج ذیل امور کی طرف توجہ کی جاسکتی ہے:

الف) انتظار ایک تربیتی ورکشاپ ہے۔ اپنے اندر اور معاشرے کے اندر کوئی بھی تبدیلی لانے کیلئے ایک بعض تربیتی دوروں کا پاس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اپنی تربیت کے بغیر کوئی انسان بھی معاشرے کی تربیت نہیں کرسکتا۔ امام زمانہ = کے ظہور کا مطلب عالمی انسانی معاشرے کی اصلاح ہے اور واضح سی بات ہے کہ اس اصلاح میں ایک مومن کا جو کردار ہے وہ یہ کردار تنہا اسی وقت ادا کرسکتا ہے جب ضروری آمادگی رکھتا ہو۔ پس انتظار یعنی خودسازی۔ یہی وجہ ہے کہ دینی پیشواوں نے ہمیشہ انتظار اور منتظر رہنے پر بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

انتظار کی اہمیت کے حوالے سے یہی کیا کم ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں انتظار امام کو اپنی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آج میشل فوکو اور برنارڈ لوئیس جیسے یورپی اور بعض یہودی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ تشیع کی بقا، دوعناصر میں ہے: ایک ان کے سرخ نظریہ میں؛ یعنی شہادت کا وہ نظریہ جو انہوں نے امام حسین - کے انقلاب سے لیا گیا ہے اور دوسرا سبز نظریہ میں؛ یعنی انتظار اور امید کا وہ نظریہ جو انہوں نے امام زمانہ کے وجود سے لیا ہے۔

(بہ نقل از: مجلّہ بازتاب اندیشہ، خرداد 80، ص 193؛ مجلّہ موعود، ش 25و26)

ب) ایک اور زاویہ جس سے امام زمان = کی مثبت انتظار کے نظریہ کی اہمیت کو درک کیا جاسکتا ہے وہ، دشمن کی اس حوالے سے فعالیت ہے۔ جھوٹے مہدی تراشنا، آج دشمن کا عالم تشیع میں ایک پسندیدہ اور سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ اس حوالے سے چھپنے والا مواد ایک لمحہ فکریہ ہے۔ آج پاکستان کی سرزمین پر بہائیت اور بابیت جیسے غیر مسلم فرقوں کو جو سرکاری حمایت حاصل ہے وہ قابل غور ہے۔ عالمی سطح پر اس حوالے سے 1982 میں ''نوسٹرآداموس'' نامی ایک فیلم کا متواتر تین ماہ تک بعض امریکی ٹی وی چینلز سے نشر ہونا، امام زمانہ کی شخصیت کو خراب کرنے کی کوششوں کا ایک حصہ ہے۔ دشمن کو یہ فکر کیوں لاحق ہوئی ہے؟

کیا وجہ ہے کہ جب بغداد کی ایک مسجد سے امریکن ایک امام مسجد کو گرفتار کرتے ہیں تو کئی ماہ متواتر تشدد کے ساتھ اس سے تنہا یہی ایک سوال پوچھتے ہیں کہ بتاؤ تمہارے امام زمانہ کا ایڈریس کیا ہے؟ یقیناً یہ سب کچھ اسی لیے ہے کہ دشمن امام زمانہ کے ظہور سے خائف ہیں اور ہر قیمت میں اس عالمی اسلامی انقلاب کو روکنے کے درپے ہیں۔ لہذا ان کی پوری کوشش یہ ہے کہ مسلمانوں میں امام زمانہ کے حوالے سے انحرافی نظریات پھیلا دیں اور غیر مسلمانوں کو امام زمانہ کے حوالے سے اسلام کے پیش کردہ نظریہ مہدویت سے بددل کردیں۔

۳۔ انتظار کے دو اہم پہلو:

یہاں امام کے حقیقی ماننے والوں کیلئے ایک اور سوال یہ ہے کہ کیسے آمادہ ہوا جائے۔ کیسے انتظار میں بیٹھا جائے؟ اس حوالے سے ہمیں درج ذیل دو حوالوں سے آمادہ ہونا ہوگا:

الف۔فکری آمادگی:

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"لکلّ شی دعام و دعام هذا الدین الفقه و الفقیه الواحد اشدّ علی الشیطان من الف عابد ."

یعنی: ہر شیٔ کی کوئی نہ کوئی اساس اور بنیاد ہوتی ہے اور دین اسلام کی بنیاد، عمیق فہم وبصیرت ہے اور دین کا فہم وادراک رکھنے والا ایک انسان شیطان کے مقابلے میں ایک ہزار عبادت گزار مسلمان سے زیادہ وزنی ہے۔ بنابرایں، انتظار کے مرحلے میں ایک مومن کا فریضہ یہ ہے کہ اپنے دین کے حوالے سے عمیق فکری بصارت حاصل کرے۔

ب۔روحی آمادگی:

علمی آمادگی کے ساتھ ساتھ آج ہمیں روحانی اور نفسیاتی طور پر ہر امتحان سے گذرنے کیلئے آمادہ ہونا ہوگا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ امام زمان علیہ السلام کی غیبت کے زمانے میں ہمارا خوب خوب امتحان لیا جائے گا۔ حضرت امام باقر - سے جب پوچھا گیا کہ آپ کو کب گشائش (فرج) حاصل ہوگی تو آپ نے فرمایا:

"هیهات، هیهات لا تکون فرجنا حتی تغربلوا ثم تغربلوا - یقولها ثلاثا - حتی یذهب الکدر و یبقی الصفور ".

یعنی: ہرگزنہیں، ہرگزنہیں! ہمیں اس وقت تک فرج (آسودگی) حاصل نہیں ہوگی جب تک کہ تمہیں (امتحانات کی چھنی میں) چھانا نہ جائے، پھر تمہیں (امتحانات کی چھنی میں) چھانا نہ جائے؛ آپ نے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا اور اس کے بعد فرمایا: یہاں تک کہ کھوٹا کھرا جدا جدا نہ ہو جائے۔ (اثبات الہداۃ، ج ۷، ص ۲۴)

اب سوال یہ ہے کہ ہم اپنے اندر یہ آمادگی کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ اس سوال کے جواب میں ہمیں درج ذیل امور پر توجہ دینا ہوگی:

ا۔اپنی اہمیت کا ادراک:

حضرت امام علی - فرماتے ہیں:

"قدر الرجل علی قدر همته ".

یعنی: ہر انسان کی قدر و قیمت اس کے عزم وارادے کے مطابق ہے۔
(نہج البلاغہ، کلمات قصار، ش 47)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنی اوراپنے مکتب کی اہمیت اور بالخصوص امام زمانہ کے نظریہ ظہور کی اہمیت کو سمجھنا اور دل کی گہرائیوں سے اس پر ایمان لانا ہوگا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم دنیا میں کس لیے لائے گئے ہیں۔ آیا ہم ہی نہیں ہیں کہ جن کے بارے میں قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

"کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" (آل عمران / ۱۱۰)

یعنی: تم ہی وہ بہترین امت ہو جسے پوری انسانیت کیلئے بھیجا گیا ہے۔

پس ہماری قدر و قیمت اس دنیا کی حقیر زندگی اور دنیا کے حقیر مکاتب فکر کی پیروی نہیں ہے۔ مسلم امت اور اس میں مکتب تشیع کی قدر و قیمت یہ ہے کہ اسے عالم انسانیت کی امامت کی لیاقت اور ذمہ داری عطا کی گئی ہے۔ اور اگر ہمارا تعلق ایک ایسے دین، ایک ایسے مکتب اور ایک ایسی ملت سے ہے کہ جس کا انتخاب ہوا ہے پوری انسانیت کی ہدایت و امامت کیلئے تو پھر ہمیں یہ ذمہ داری ادا کرنے کیلئے جان جوکھوں میں ڈالنا ہوگی، شب و روز محنت کرنا ہوگی، ہر قربانی دینے کیلئے آمادہ رہنا ہوگا اور تنہا اسی صورت میں ہمارا شمار اس مکتب و ملت کے افراد میں سے ہوگا۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا عدالت کا　　لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

۲۔ اطاعت اور تقوی:

ارشاد پروردگار ہے:

" وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا" (طلاق / 2)

یعنی: جو خدا سے ڈرے گا خدا اس کیلئے راستہ نکال دے گا۔

پس اگر ہم تقوی اختیار کریں تو ایک طرف دشمنوں کی چالوں میں گرفتار ہونے سے بچ سکتے ہیں اور دوسری طرف اپنے ہدف تک رسائی کی راہ پیدا کرسکتے ہیں۔

۳۔ خدا کے ساتھ رابطہ:

کسی بھی شخص کو کوئی بڑی ذمہ داری لینے کیلئے خدا سے رابطہ برقرار کرنا چاہیے۔ حتی رسولخدا ﷺ کے بارے میں قرآن آپ سے یوں ارشاد فرماتا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا" (مزمل، ۱ تا ۵)

یعنی: اے چادر لپیٹے ہوئے! رات کا اکثر حصہ حالت قیام میں گذارو! آدھی رات یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ اور قرآن کی پوری توجہ سے تلاوت کیا کرو کہ ہم عنقریب آپ پر سنگین بات ڈالنے والے ہیں"

ان آیات کی روشنی میں کوئی بھی بڑی ذمہ داری اس وقت ادا کی جاسکتی ہے جب ہم رسولخدا کی سیرت پر چلتے ہوئے شب زندہ دار بنیں، اہل دعا و مناجات ہوں اور ہمارا خدا کے ساتھ رابطہ استوار ہو۔ اس لیے کہ تنہا شب زندہ داری، دعا و مناجات اور خداوند عالم کے ساتھ بندگی کا محکم رابطہ ہی انسان کو مرد میدان بنا سکتا ہے۔

۴۔ انتظار کی فکری بنیادیں:

ذیل میں یہ دیکھیں گے کہ کون سے عوامل امام مہدی = کے انتظار کو ٹھوس بنیادیں فراہم کرتے ہیں اور اسے ایک واہی خیال کی بجائے مسلمہ حقیقت قرار دیتے ہیں۔

۱۔ انتظار ایک انسانی حقیقت:

اس عنوان کے تحت جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ انتظار کا جو فلسفہ اہل تشیع کے ہاں پایا جاتا ہے وہ انتظار کے اس تصور سے بہت مختلف ہے کہ جو فیچو ریزم (Futurism) کے عنوان کے تحت انسانی مطالعات کا موضوع اور انسانی دل و دماغ کا عقیدہ قرار پاتا ہے۔ ان میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ فیچو ریزم میں ایک ایسے سپر مین کا انتظار کیا جار ہا ہے کہ جو ظہور کرے، دنیا کو عدل وقسط سے پر کردے اور عدل وقسط کے قیام کی تگ و دو میں ان کے ہمراہ کسی انسان کو شریک نہ ہونا پڑے اور نہ ہی کوئی زحمت اٹھانا پڑے۔ اس کے برعکس، مکتب تشیع میں انتظار، بنیادی طور پر ایک فعالیت Activity کا نام ہے۔ انتظار ایک ایسی بشری حقیقت ہے کہ جس کا نقطۂ آغاز ہم زمینی انسان ہیں۔ ہمیں نجات کی ضرورت ہے۔ اور یہ نجات پانے کیلئے سب سے پہلے خود ہمیں بدلنے کی ضرورت ہے۔ جب تک ہم جس قدر بدل سکتے ہیں، اس قدر نہ بدلیں، ہمارے اندر انتظار کی حقیقت، سمانہیں سکتی اور نہ ہی ہم منتظر کہلا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایسے منجی کی ضرورت پیش آتی ہے کہ جو ان حالات کو بدلے جو ہمارے بدلنے کے نہیں ہیں۔ ایک ایسا منجی بشریت کہ جس کا رابطہ حقیقت وحی سے ہو۔ پس سب سے پہلے مرحلہ پر ہمیں یہ باور کرنا ہوگا کہ علم، تجربہ، ٹیکنالوجی، فلسفہ، سیاست، شعر، ہنر، بادشاہی، جمہوریت، غرض کہ کوئی بھی فکری اور بشری نظام ہمارے کسی درد کی دوا نہیں ہے۔ نیز ہمیں یہ سب کچھ بدلنا ہے اور تبدیلی کے اس عمل میں سب سے پہلے خود ہمیں بدلنا ہے۔ اس کے بعد یہ توقع کہ ہماری اجتماعی حالت تنہا ایک الٰہی نظام اور الٰہی رہنما ہی کی موجودگی میں بدل سکتی ہے۔ اگر ایسا ہو، تب امام زمانہ = کے انتظار کا مقولہ صحیح معنی و مفہوم پاتا ہے۔

انتظار کے اس معنی و مفہوم کی روشنی میں ایک منتظر کے اپنے بدلنے کے باوجود بھی چونکہ اس کا محیط و معاشرہ نہیں بدل سکتا، لہٰذا یہ منتظر، تنہا کسی معاشرتی تبدیلی کا منتظر نہیں رہتا بلکہ ایک منجی بشریت کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ یوں اصلاح احوال کی یہ بشری حقیقت، امام زمانہ = کے انتظار کو فکری بنیاد عطا کرتی ہے۔

۲۔ ناقابل حل بحران:

آج کا دور سیاسی، اخلاقی، معنوی اور اقتصادی بحران کا دور ہے۔ اس دور میں ہر انسان کسی پناہ گاہ کی تلاش

میں ہے۔لیکن اسے کوئی پناہ نہیں ملتی۔ ہر دین اور ہر دانشور کا کسی مصلح کی تلاش میں ہونا، یقیناً انسانیت کے اضطراب کا زمانہ کا آئینہ دار ہے۔ یہ بات بڑی جرأت سے کہی جا سکتی ہے کہ آج کے دور کی جدید ٹیکنالوجی، اخلاق اور انسانیت کے انحطاط کا سبب ہے۔ آج عالمی سطح کے ادارے، جن کا کام انسانیت کی خدمت تھا، استعمار کے آلہ کار بن چکے ہیں۔ یو.این.او.آمریکا جیسے چند ملکوں کی لونڈی ہے۔ ورلڈ بینک غریب ممالک کا خون چوسنے کا آلۂ کار ہے۔ دہشت گردی روکنے کے نام پر سرکاری دہشت گردی کا دور دورہ ہے۔ اور یہی بحرانی حالت پوری انسانیت کیلئے ''انتظار'' کے کلمے کو ایک بامعنی کلمہ بنا کر پیش کرتی ہے۔ اس صورتحال کو جو عامل بدل سکتا ہے وہ حقیقی انتظار ہے۔

۳۔انسان کی وجودی ساخت :

انسان کے وجود کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ اگر پوری دنیا کے اسباب و وسائل بھی اسے عطا کر دیے جائیں تب بھی اس کی ساری حسرتیں مٹ نہیں سکتیں۔ کیونکہ انسان کا دل، اس کی امنگیں اور حسرتیں دنیا کی وسعت سے وسیع تر ہیں۔ آج انسان اس قدر اپنی دنیاوی حسرتوں کو پورا کرنے میں آگے نکل چکا ہے کہ اب تھکاوٹ کا احساس کر رہا ہے۔ اسے بخوبی یہ احساس ہو چلا ہے کہ عالم مادہ اور مادی دنیا میں وہ دم خم نہیں کہ اس کی سب حسرتیں مٹا سکے اور اس کیلئے سکون کی دولت فراہم کر سکے۔

وہ حسرت جو دنیا نہیں مٹا سکتی وہ ایک کلمہ میں ''خدا'' ہے۔ کیوں آج امریکہ میں مظاہرہ ہوتا ہے کہ خدا انسان کی زندگی میں واپس لوٹ آئے؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کافر کی دنیا اتنی تنگ ہے کہ اس کیلئے ہوس رانی اور شہوت پرستی کے تمام دروازے کھلے ہونے کے باوجود یہ دنیا اسے ایک زندان محسوس ہوتی ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

بنابرایں، جب یہ دنیا اپنی تمامتر وسعتوں کے باوجود ایک انسان پر تنگ و تاریک ہو جاتی ہے تو ایک خلیفۂ الٰہی کے ''انتظار'' کا نعرہ معنی و مفہوم پاتا ہے۔ دنیا کے زندان سے تنگ انسان ایک ایسے وجود کا محتاج اور منتظر ہے جو اسے بلندیوں تک لے جائے۔

آج کا انسان سب سہولیات میسر ہونے کے باوجود بھی منتظر ہے کیونکہ ایک طرف اس کی اپنی ساخت و ساز اسے اس جہان مادہ پر قانع نہیں ہونے دیتی اور دوسری طرف عالم مادہ کے دامن میں وہ گنجائش نہیں ہے کہ انسان اس سے مانوس ہو سکے۔ مشینی دور نے آج کے انسان کو تنہا کر دیا ہے اور وہ عجیب قسم کی غربت کے احساس میں مبتلا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آج یورپ کا ادیب اپنے تمام تر ادبی پارے خلق کرنے کے باوجود یہ لکھنے پر مجبور ہیں کہ اے کاش! میں راہب ہوتا۔ یہ آواز صدائے بازگشت ہے اس کی وجودی ساخت و سازکی اور دنیا کی حقیقت کی۔ پس وہ انتظار میں ہے۔ اور یہ اس کا اپنا وجود ہے جو اسے انتظار کے دروازے پر لایا ہے۔

ہاں! ابھی وہ پہچان نہیں پایا کہ یہ دروازہ کس کا دروازہ ہے۔

۴۔اصلاح کے دعویداروں کی ناکامی:

ایک اور عامل جس نے امام زمانہ علیہ السلام کے انتظار کی حقیقت کو تفسیر عطا کی ہے وہ معاشرتی اصلاح احوال کی کوشش کرنے والوں کی ناتوانی ہے۔ارباب سیاست اور اہل حل وعقد کی تمامتر کوششوں انسانیت کو وحشت اور ناامیدی کے علاوہ کچھ مہیا نہیں کرسکیں۔افلاطون سے لے کر وقتِ حاضر کے فلسفۂ سیاست کے دعویدار، کبھی بھی ایک عادلانہ نظام حکمرانی قائم نہیں کر سکے۔نہ فارابی کا ''مدینۂ فاضلہ''، نہ تھامس کا مپانلا کا ''شہر آفتاب''، نہ ویکٹور ہوگو کی انٹرنشنل جمہوریت، نہ کنٹ کا تھیوکریٹک معاشرہ، نہ تھامس مور کی بہشت، غرض کہ آج تک ارباب دانش اور اہل دنیا کی کوئی تھیوری بھی انسانیت کے کام نہیں آسکی۔آج یورپ کے دانشور کا یہ کھلا اعتراف موجود ہے کہ ہمارے یورپی معاشرے کی مشکلات ختم ہوتی نظر نہیں آتیں؛ اخلاقی انحطاط کی بدبو بڑی شدت سے محسوس ہورہی ہے اور جتنے بھی منصوبے اس حالت کو بدلنے کیلئے پیش کیے جا رہے ہیں، وہ حالات کو بگاڑتے ہی چلے جارہے ہیں اور اس گھوڑے سوار کے وجود کا انتظار بڑھتا جارہا ہے جو آکر بگڑی سنوارے۔

۵۔ ہدایت وارشاد:

اس عصر دلگداز میں جہاں انسانیت کے دنیاوی چارے وعلاج سے مایوسی بڑھتی جارہی ہے، وہاں امام زمانہ علیہ السلام کی اپنے ماننے والوں کی مدد اور ان کی راہنمائی، ''انتظار'' کے مقولے کو ایک اور مضبوط فکری بنیاد فراہم کرنے کا عامل اور عنصر ہے۔ایسے مومنین کی تعداد کم نہیں ہے جو آج کے اس المناک دور میں بھی اپنے وقت کے امام سے توسل اور امام کی راہنمائی اور ارشاد کے سہارے تکامل کا راستہ طے کررہے ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ ہر معاشرہ تنزل کا شکار ہو۔آج بھی وہ معاشرہ آگے بڑھ رہا ہے جو امام زمانہ علیہ السلام کے حقیقی انتظار کا عصا ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔کوئی مسیحا آج بھی لاکھوں انسانوں کی مشکلات کا مداوا کررہا ہے۔

امام زمانہ علیہ السلام کا واضح ارشاد موجود ہے کہ:

> ''وجه الانتفاع بی فی غیبتی کالانتفاع بالشمس اذا غیبها عن الابصار السحاب و انّی لامان لاهل الارض کما انّ النجوم امان لاهل السماء''
>
> یعنی: میری غیبت میں مجھ سے ایسے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جیسے سورج سے؛ جب اسے بادل چھادیں اور میں اہل زمین کیلئے اسی طرح سے امان ہوں جیسے ستارے آسمان والوں کیلئے امان ہیں''(احتجاج طبرسی، جلد۲،صفحہ۲۸۴)۔

آج بھی وہ فرزند زہرا (علیہ وعلیہا السلام) لوگوں کے درمیان گھومتے پھرتے ہیں لیکن لوگ انہیں پہچانتے نہیں۔آپ موسم حج میں حج کے مناسک میں حضور پاتے ہیں۔آپ کی توقیعات اور دعاوں سے پتہ چلتا ہے

کہ آپ کا اپنے شیعوں پر ایک خاص لطف وکرم ہے۔آپ شیخ مفید کے نام اپنی توقیع میں لکھتے ہیں:

"فانا نحیط علما بنبائکم و لایعزب عنا شی من اخبارکم"

یعنی: ہمیں تمہارے احوال کا پورا پورا علم ہے اور آپ کی کوئی خبر ہم سے پوشیدہ نہیں رہتی۔

(احتجاج طبرسی، ج۲،ص۵۹٦)

۵۔الٰہی وعدہ:

آپ کے انتظار کا ایک اور عامل اور فکری بنیاد، وہ بشارتیں ہیں جو انسانیت کے مستقبل کے بارے میں قرآن کریم اور معصومین علیہم السلام کے فرامین میں پائی جاتی ہیں۔قرآن میں ارشاد پروردگار ہوتا ہے:

" وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ "(انبیاء/ ۱۰۵)

یعنی:''اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ میرے صالح بندے زمین کے وارث بنیں گے''۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی یہ بشارت ابھی تک پوری نہیں ہوئی اور آج بھی اہل قرآن کو اس بشارت کے تحقق پانے کا انتظار ہے۔

یہ بشارت ان کے دل میں امید کی کرن روشن کیے ہوئے ہے۔حضرت امام محمد باقر - فرماتے ہیں:

''وہ شائستہ بندے جو زمین کے وارث بنیں گے، آخری زمانے میں مهدی علیہ السلام کے اصحاب ہوں گے۔''(تفسیر مجمع البیان، ج۷،ص٦٦)۔

ایک اور روایت میں حضرت امام رضا- سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا:

"ما احسن الصبر و انتظار الفرج، أما سمعت قول العبد الصالح (فارتقبوا انّی معکم رقیب) ، (و انتظروا انّی معکم من المنتظرین) فعلیکم بالصبر انّما یجیء الفرج عی الیأس..."(بحار الانوار/ ج ۲۵، ص ۱۲۹).

یعنی:''کتنا اچھا ہے صبر کرنا اور فرج کا انتظار؛ آیا تم نے عبد صالح کا یہ قول نہیں سنا کہ:

''مراقب رہو، میں بھی تمہارے ساتھ رقیب ہوں''(ھود/۹۳)؛

''اور منتظر رہو کہ میں بھی آپ کے ساتھ انتظار میں ہوں''(اعراف/۷۱)۔

پس (اے میرے شیعو!) صبر پیشہ بنو! کہ فرج (یعنی امام زمانہ علیہ السلام کا ظہور) ناامیدی کے بعد ہوگا۔''

یہ آیات اور روایات وہ بشارتیں اور وعدۂ الٰہی ہے کہ جو انسانیت کو ایک روشن مستقبل کی نوید دلاتی ہیں اور اس کے سامنے امام زمانہ = کے انتظار کو ایک بامعنی مفہوم انسانی تمایل کے طور پر پیش کرتی ہیں۔

☆☆☆☆☆